ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE: 2789-8784

ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com

ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.3 (2024)
(July to September)

محمد حفیظ خان کا سماجی شعور ان کے ناول "حیدر گوٹھ کا بخشن" اور "وُجود" کے تناظر میں

The Social Consciousness of Muhammad Hafiz Khan in his Novels "Haider Got Ka Bakhshan" and "Wujood"

حفصہ اسلم
ایم۔فل اُردو، دی ویمن یونورسٹی، ملتان
ڈاکٹر عذرا پروین
ایسوسی ایٹ پروفیسر / صدر نشین، شعبہ اُردو، دی ویمن یونیورسٹی، ملتان

Hafsa Aslam
M.Phil Urdu, The Women University, Multan
Dr. Azra Parveen
Associate Professor/Head of Urdu Department,The Women University, Multan

Abstract:
In Urdu literature, there is a strong tradition of social portrayal and depiction of society in novels. Although any novel written on any subject inherently contains social reflection, no novelist can completely distance themselves from or ignore society while creating a novel. However, some novelists stand out for their vibrant representation of historical consciousness and social depiction in their works. Muhammad Hafeez Khan is one such novelist whose novels provide an excellent depiction of society. In both of Hafeez Khan's novels, "Haider Goth ka Bakhshan" and "Wujood," the manner of social portrayal presents diverse aspects of society. An examination of the author's social consciousness in the context of these two novels reveals various shades of societal imagery.

Keywords: Hafeez khan, Urdu literature, Social Consciousness, Haider Goth ka Bakhshan, Wujood, Representative, South Punjab, political situation.

اُردو کے جدید ادبی منظر نامے پر محمد حفیظ خان کا نام ہمہ جہت خصوصیات کے سبب نمایاں اہمیت کا حامل ہے۔ انہوں نے اُردو ادب کی کئی اصناف پر اپنے فن کے گہرے نقوش ثبت کیے۔ بطور افسانہ نگار اپنے قارئین میں مقبولیت حاصل کرنے کے بعد انہوں نے ناول کی صنف میں قدم رکھا تو اس صنف میں بھی اپنے فن کا لوہا منوایا۔ یوں تو ان کی شخصیت محقق، مورخ، نقاد، مترجم، کالم نویس، صحافی اور شاعر سے بیک وقت عبارت ہے لیکن جو شہرت انہیں ناول نگاری کے سبب حاصل ہوئی وہ بے مثل ہے۔ محمد حفیظ خان کل وقتی جج (ریٹائیرڈ) اور ادیب ہیں گویا سماجی فہم و ادراک کے ساتھ ساتھ فکر و فن کا چمنستان کھلا ہوا ہے۔

سماجی شعور، سماجی آگاہی اور پہچان سے عبارت ہے یہاں وہ تغیر و تبدل اہم ہے جو ہمہ وقت کسی سماج میں جاری و ساری رہتا ہے اور زندگی کے نئے رخ معین کرتا ہے۔ سماج کے عمومی و خصوصی رویوں کی منفی اور مثبت سطح پر انفرادی زاویوں سے آگاہی بھی سماجی شعور کے دائرے میں آتی ہے۔ مختصراً یہ کہ معاشرتی حالات و واقعات اور سماجی مسائل سے آگاہی کو سماجی شعور کا نام دیا جاتا ہے۔ جنگ

آزادی کے بعد سماجیات میں ہلچل بڑھی تو ادیبوں اور شاعروں نے ادب میں سماج کی ایک نئی روح پھونکی نیز ادب کی بنیاد مادی حقائق سے سماجی شعور پر قائم کر دی۔ ادب میں براہ راست زندگی اور اس کے مسائل کی پیش کش کر کے مستقبل کی راہیں ہموار کیں۔ اس طرح ادب کی تقریباً تمام اصناف سخن میں سماج کی ترجمانی کی گئی۔ کبھی شاعری میں سماجی عکس کشی کی گئی، تو کبھی داستان میں خیالی اور تصوراتی دنیا کو سماج سے جوڑا گیا۔ داستان کے طویل سفر کے بعد سماج کو مکمل حقیقت اور صداقت کے ساتھ جب نئی شکل میں تحریر کیا گیا تو ادب نے اِس کو ناول کا نام دیا اور اس طرح ناول کا براہ راست تعلق سماج اور اس کے مسائل سے رہا۔ ناول میں بھرپور انداز میں سماج کی پیش کش کی جانے لگتی۔ آج بھی ناول کا موضوع چاہے کوئی بھی ہو اس میں سماج کا عکس کہیں نہ کہیں نظر آتا ہے۔ ناول کی اسی تکنیکی خوبی نے اس کو گہرائی اور گیرائی بخشی۔ قیام پاکستان کے بعد بھی اس روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے سماجی شعور کے حامل ناول تحریر کیے گئے۔ جدید دور کے مصنفین اپنے ناول کے ذریعے نہ صرف سماج کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں بلکہ قارئین کو اس دور کے مسائل اور خرابیوں سے شناسا کرتے ہوئے معاشرے کی اصلاح میں مددگار ثابت ہوئے ہیں۔ ان میں ایک نامور مصنف محمد حفیظ خان کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ان کی کہانیاں سماج ہی سے ترتیب پاتی ہیں اور ان کے ناولوں میں اس عہد کا سماجی اور سیاسی شعور جھلکتا ہے۔ بذات خود ایک جج ہونے کے ناطے انہوں نے نہ صرف سماجی مسائل اور خرابیوں کا سامنا کیا بلکہ ان سے نمٹ کر حل کی راہیں بھی تلاشیں۔ اسی بنا پر انھوں نے عمیق نگاہی سے سماج کے مسائل، حالات واقعات اور بدلتے ہوئے اقدار کا جائزہ لیا نیز معاشرے میں جڑ پکڑتے ناسور رویوں اور ان سے جنم لیتی برائیوں پر بھی غور وخوض کیا۔ انہوں نے اپنے ان دقیق تجربات اور مشاہدات کو ادب میں برت کر سماجی تاریخ کا حصہ بنایا اور عام قاری میں سماجی شعور کو منتقل کیا۔

ان کے ناولوں میں حقیقی واقعات کی پیشکش اور اعلیٰ پائے کی کہانی کے بیان کے سبب ان کے ناولوں نے ہمیشہ ادب کے قارئین کو متوجہ کیا نیز ادبی سرمائے میں شاندار اضافے کا باعث بھی بنے۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے سات اُردو اور دو سرائیکی ناول لکھے جن میں "اَدھ ادھورے لوگ"، "انواسی"، "کرک ناتھ"، "منتارا"، "حیدر گوٹھ کا بخشن"، "وُجود" اور "ہر ایک جنم کی جانما" شامل ہیں۔ ان کے ناول کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ یہ پاکستان کی موجودہ صورت حال کا عکس ہیں۔ چونکہ حفیظ خان کا حکومت کے جوڈیشل سسٹم اور کریمینل سسٹم سے براہ راست تعلق ہے اسی بنا پر انہوں نے حکومتی نظام کی حقیقت کو بڑی مہارت سے پیش کیا نیز اس سے متعلقہ اکابرین اور کارکنان کی بدعنوانیوں کا پردہ چاک کیا، معاشرتی برائیوں، اشرافیہ کی سیاہ کاریوں اور جدید ٹیکنالوجی کے منفی اثرات سے اپنے ناولوں کے موضوعات ترتیب دیے۔ انہوں نے اپنے پیشے کے تجربات اور اپنے تخلیقی وفنی وسائل کو بھرپور انداز میں بروئے کار لا کر سماجی زندگی کی ان برائیوں اور مسائل کو بے نقاب کیا ہے جو معاشرتی زندگی کے باطن میں ہنگامہ خیز تلازم پیدا کرتی ہیں اور اس کے توڑ پھوڑ کا باعث بنتی ہیں۔ محمد منشایاد لکھتے ہیں:

> "حفیظ خان راست فکر اور حقیقت پسند کہانی کار ہیں اور ایک ایسے حقیقت نگار، جو اپنے مشاہدے اور تجربے کو کسی طرح کی ملاوٹ کے بغیر پوری سچائی اور جرات کے ساتھ پیش کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔"(۱)

سماجی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو بل عموم ان کے ناول "کرک ناتھ" اور "منتارا" میں پاکستان کی موجودہ صورت حال کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ جس میں اشرافیہ کے بھیانک چہرے اور ان کی سیاہ کاریوں کے ساتھ حکومتی نظام کی عکاسی کرتے ہوئے سماجی حقیقتوں کو راست گویائی سے پیش کیا ہے۔ جبکہ "ادھ ادھورے لوگ" اور "انواسی" میں تاریخی شعور اور سماجی پیش کش بڑے توانا انداز میں ملتی

ہے۔ ان کے دیگر ناولوں کی طرح بلخصوص ان کے ناول "حیدر گوٹھ کا بخشن" میں بھی ان کا سماجی شعور انتہائی درجے پر جھلکتا ہے۔ اردو ناول میں سماجی شعور کی روایت کے مجموعی حثیت سے دیکھا جائے تو اس ناول میں سماجی شعور کے چند زاویے بنتے ہیں۔ جن میں سے ایک زاویہ تو حکومتی اور عدالتی نظام کا ہے۔ جس میں انہوں نے اپنے پیشے (وکالت) کو نہایت گہرائی سے پیش کیا نیز ہمارے عدالتی نظام کی بدعنوانیوں کو عام قاری تک پہنچایا۔ عدالتی نظام کے باعث معاشرے میں پھیلتی برائیوں کو نشان زد کیا۔ عدالت میں وکلاء کے کام کرنے کا طریقہ کار، عدالتوں میں عہدوں کے حصول کے میرٹ، وکلاء گردی، عہدوں کے حصول کے لیے کی جانے والی منفی سرگرمیاں، کٹھ پتلی عدالتی نظام اور انصاف کے حصول کے لیے عدالت سے منسوب عام شہری کا درپیش مسائل وغیرہ یہ تمام وہ عناصر ہیں جن کے ذریعے حفیظ خان نے نہایت حقیقت پسندانہ انداز میں ملک کے عدالتی نظام کی خرابیوں کا آئینہ پیش کیا ہے۔ وہ عدالتی نظام کی خرابی کو ملک و قوم کی پستی کی وجہ گردانتے ہیں۔ کیونکہ عدالت کا ادارہ ہی انصاف داری کے عمل کو یقینی بناتا ہے مگر جب یہی ادارہ ہی حکمرانوں اور اپوزیشن کے دباؤ میں آکر فیصلے کرنے لگے تو اس کے تمام فیصلے جانبداری پر مبنی ہوتے ہیں (جیسا کہ ہمارے ملک میں ہو رہا ہے) اور انصاف کا نظام مفلوج ہو جاتا ہے۔

حفیظ خان کے ناول معاشرے کی تلخ حقیقتوں اور پاکستان کے سیاسی المیہ پر مبنی ہیں۔ جس میں وہ پاکستان کے حکومتی نظام کو سامنے لاتے ہیں۔ انہوں نے حکومت کے تینوں بڑے اداروں عدل و انصاف کا علمبردار عدالتی نظام، امن کی محافظ پولیس کا ادارہ اور قانون کی عملداری کو یقینی بنانے والی انتظامیہ ان تینوں کو اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرتے دکھایا ہے اور ان کو سر تا پیر بدعنوانیوں میں ڈوبا ہوا پیش کیا ہے۔ ان کے ناولوں میں معاشرے کا ادنیٰ سے ادنیٰ فرد بھی قانون کی دھجیاں اڑاتا اپنے محدود سے محدود تر اختیارات کا غلط استعمال کرتا نظر آتا ہے۔ عام گھرانوں سے لے کر ایوانوں تک غرض حکومت کے تمام کارخانوں میں ایک سی صورتحال ہے جو ظاہر ہے معاشرے کی تباہی کا موجب بن رہی ہے یہ ناول غیر منصفانہ عدالتی نظام، بدعنوان قانونی نظام اور ہلڑ باز سیاسی نظام کو پیش کرتا ہے جو برائیوں کے باعث معاشرے میں اپنے اپنے حصے کی تاریکی پھیلاتے نظر آتے ہیں۔ ناول "حیدر گوٹھ کا بخشن" میں مصنف نے خصوصی طور پر پاکستان کی پولیس کی حقیقت کا پردہ چاک کیا ہے۔ حفیظ خان پولیس کے ادارے کو تمام اداروں میں سب سے زیادہ بدعنوان سمجھتے ہیں جو ہر طاقت وار ہاتھوں میں چند لمحوں میں اپنے ضمیر کا سودا کر دیتے ہیں نیز ملک میں پنپنے والے سیاہ دھندوں اور برائی پھلانے والوں کے براہ راست آلہ کار ہوتے ہیں۔ اب تک کی سروے رپورٹ سے جانچا جائے تو اس میں پولیس کا ادارہ بدعنوانیوں میں سرفہرست آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول میں حفیظ خان کے ربع صدی کے تجربات شامل ہیں جس سے محکمہ پولیس کی سیاہ کاریوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ناول کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں جہاں ایس ایچ او چوہدری ضیاء کے کردار میں پولیس کی نفسیات کو دکھایا ہے۔

> "اگر چاہتے ہو کہ لاش کا ڈی این اے ٹیسٹ بھی نیگیٹو آئے اور قاتل کی انگلیوں کے نشان بھی تمہاری انگلیوں کے نشان سے نہ ملیں تو سوا ڈیڑھ کروڑ میں طے ہو گا، اب رہا رباب کے اغوا اور ممکنہ قتل کا معاملہ تو اُس میں اضافی ایک کروڑ میرا، پھر اوپر والے جانیں اور میں، تم اس کیس میں آزاد اور پھندہ حاجی بخشن کی گردن میں فٹ، تم بھی کیا یاد کرو گے چوہدری ضیا جیسے جی دار ایس ایچ اُو سے پالا پڑا ہے۔" (۲)

حفیظ خان نے حکومت کو کٹھ پتلی بنانے والی طاقتوں کو بھی ناول میں پیش کیا ہے۔ جو ہمارے حکومتی نظام کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہی ہیں نیز ملک کی ترقی اور فلاح کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ یہ خود سر طاقتیں اخلاقی اور قانونی ضابطوں سے ماورا اقتدار کی کرسی پر بیٹھی قوتوں کو بے وقوف بنانے اور ان کی نفسیاتی و جسمانی الجھنوں کو جان کر انہیں انگلیوں پر نچانے کا ہنر خوب جانتیں ہیں۔ جو انتظامی کارندوں کو استعمال کرتے ہوئے اقتدار و سماج کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لے لیتیں ہیں اور اپنے ناجائز دھندوں کی حفاظت کے لیے حکومتی اداروں میں اپنی مرضی کے افراد کی بھرتیاں کرواتیں ہیں۔ حکومتی افسروں کی چاپلوسیاں کرکے، اپنے دھندوں میں ان کو ٹیکس دے کر اپنے ناجائز کام کرواتیں ہیں۔ جس سے یہ حکومتی نظام میں اپنا اثر ورسوخ قائم کرکے ریاست کے متوازی اپنی سیاہ سلطنت قائم کر لیتیں ہیں۔ جس میں سفید اور سیاہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مصنف نے حکومت کی کوکھ میں پلنے والے ان گماشتوں (خفیہ طاقتوں) کی حقیقت کو عام قاری کے سامنے پیش کیا ہے۔ الغرض انھوں نے معاشرے کا بگاڑ، انحطاط کی بڑھتی ہوئی رفتار، تقریباً ہر شعبے کا زوال اور قحط الرجال کی سی صورتحال "کٹھ پتلی" حکومتی نظام کی مرہون منت بتائی ہے۔ ناول کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں جن سے ان سیاہ طاقتوں کے ہتھ کنڈوں کا انداز ہوتا ہے:

> "اسی چڑیا کو پھڑکا کر تو اُس نے علاقے کی دو بلاؤں ملک یاور بختار اور نادر خان کو آپس میں یوں الجھائے رکھنا تھا کہ نہ صرف حکومت اور اپوزیشن دونوں سے کاروباری معاملات فِٹ رہتے بلکہ اُن کے مال کو بھی کچھ اس طرح نکہ لگاتا کہ جیسے پانی چور زمیندار نہر میں سائفن لگا کر واری کے بغیر کھیت کے کھیت سیراب کر لیتا ہے۔"(۳)

حفیظ خان نے حکومتی نظام پر سخت تنقید کے علاوہ سیاست دانوں کے اخلاقی زوال اور سیاسی بے راہ روی کو بھی موضوع بنایا ہے۔ جو ان کے سماجی شعور کی گہرائی کو اجاگر کرتا ہے۔ ناول میں انھوں نے ایسے سیاسی نظام کی تصویر کشی کی ہے جو اخلاقی حدود کی پروا نہیں کرتے، عیش و عشرت اور جنسی ہوس کی دلدل میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ جو اپنے اختیارات کا غلط استعمال تو کرتے ہی ہیں، ساتھ ساتھ جنسی خواہشات کے اس قدر رسیا ہیں کہ محض طوائفوں کے لیے اربوں کی بولیاں لگاتے ہیں۔ جہاں ناول میں غریب طبقہ روزی روٹی کے حصول کے لیے عزتوں کو داؤ پر لگاتا نظر آتا ہے، وہیں عیاش سیاستدان ذاتی خواہشات کے لیے ملک کے قیمتی اثاثوں کو نیلام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ حفیظ خان کا یہ ناول ہمارے سیاسی نظام کا مکمل آئینہ دار ہے۔ اس تمام صورت حال کے ذریعے حفیظ خان نے ایک وسیع تر سیاسی و معاشرتی مسئلے کو پیش کیا ہے۔ یہ ناول اس بات پر زور دیتا ہے کہ کیسے حکومتی کارکنان اور عہدے دار اپنی ذاتی خواہشات اور مفادات کے تکمیل کے لئے عوامی وسائل کا غلط استعمال کر رہے ہیں نیز اختیارات کی تقسیم میں عدم شفافیت اور بدعنوانیوں نے ملکی انتظامی نظام کو کمزور کر دیا ہے مزید معاشرتی پستی کٹھ پتلی نظام حکومت کی مرہون منت ہے۔ جس سے عوام کی فلاح و بہبود کی منصوبے ناکام ہو رہے ہیں اور ملک مسلسل زوال کی جانب گامزن ہے۔ مصنف کا سماجی شعور صرف حکومت اور سیاست دانوں پر تنقید تک محدود نہیں بلکہ وہ ایک وسیع تر معاشرتی اصلاح کی ضرورت کا بھی قائل ہے۔

ناول میں سماجی شعور کا دوسرا زاویہ "غربت اور جرائم" کے موضوعات کا انتخاب ہے نیز غریب طبقے کی تاریک زندگیوں پر غربت کے جبر کے اثرات کو بیان کیا گیا ہے، کہ غریب لوگ جن کا ماضی معاشرتی جبر، والدین کی عدم توجہی اور اپنوں کے دھوکہ دہی کا شکار ہوتا ہے، وہ اپنوں کی بے رخی کی بنا پر جرائم میں ملوث ہو جاتے ہیں لہذا اپنے وجود کی بقا کے لیے ان جرائم کا سہارا لیتے ہیں نیز

معاشرے سے اپنی تقدیر کا انتقام لیتے نظر آتے ہیں اور معاشرتی بگاڑ کی وجہ بنتے ہیں۔ حفیظ خان کے فن کا خاصہ ہے کہ وہ شرک مذمت کرتے ہوئے معاشرے کو جھنجوڑتے ہیں اور قارئین میں سماجی شعور بیدار کرتے ہیں۔ اصلاح کی راہ ہموار کرنے میں موثر کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔

ناول میں سماجی شعور کا تیسرا زاویہ "اشرافیہ کا تباہ ہو چکا خاندانی نظام" ہے۔ مصنف نے شیشوں کے محلوں میں رہنے والوں کی تاریک زندگیوں سے پردہ اٹھایا۔ جن کے نزدیک محض دولت اور سٹیٹس اہمت رکھتا ہے۔ جس کے حصول کے لیے وہ تمام رشتوں کو روندتے ہوئے اپنے مذموم مقاصد پورے کرتے نظر آتے ہیں۔ ناول "حیدر گوٹھ کا بخشن" خاندانی نظام میں پلنے والے سفاک، بے حس اور لالچی رشتوں کا آئینہ پیش کرتا ہے نیز حفیظ خان کا سماجی شعور معاشرے کی تلخ حقیقتوں کے عکاسی میں مظہر ہے۔

حفیظ خان نے ناول میں عورت کے جذباتی، جنسی، نفسیاتی اور جبلتی غرض تمام پہلو کو پیش کیا نیز ناول میں وہ خواتین کے حقوق کے لیے آواز اٹھاتے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے بنت حوا کے ہر روپ کو پیش کرتے ہوئے آدم زادوں کو بھی اندر تک گنگار ڈالا۔ انہوں نے ناول میں عورت کو عورت کے نظریے کے بجائے اس کو انسانیت کے درجے پر پیش کیا ہے (۴) مگر وہ عورت کے شر کو بیان کرتے ہوئے اس کی توہین نہیں کرتے، گالی نہیں دیتے، اس کو بدکار ہونے کا طعنہ نہیں دیتے اور نہ ہی جنسی مرد کی طرح اس پر قلم کا تشدد کرتے ہیں (۵) بلکہ اُس کے شر کی طرف جھکاؤ کی وجہ بیان کرتے ہیں جس میں وہ معاشرے اور مرد کو براہ راست قصوروار ثابت کرتے ہیں۔ مرد کی ناانصافی، حق تلفی اور تشدد ایسی صورتحال پیدا کر دیتے ہیں جس کا فطرتی رد عمل عورت کو برائیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ حفیظ خان نے اس ناول میں ہمارے سماج کے تاریک رازوں سے پردہ اٹھایا ہے۔ جس میں عورت کو بکتے اور بزنس ڈیک بنتے دکھایا گیا ہے نیز عورت کے ذریعے معاشرے کے مردوں کو دولت شہرت کی بلندیوں تک پہنچتے دکھایا ہے۔ ناول میں حفیظ خان کا سماجی شعور وسیع اور گہرا مطالعہ پیش کرتا ہے۔ جو حکومتی بدعنوانیوں، انتظامی خرابیوں اور سماجی برائیوں کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ ان طبقات کی نمائندگی کرتے ہیں جو سماجی انصاف سے محروم ہیں نیز جن کی حالت زار پر توجہ دینا بہت ضروری ہے۔ الیاس میراں پوری کا کہنا ہے کہ:

> "حفیظ خان نے جو محسوس کیا اور جو مشاہدہ کیا اسے صفحہ قرطاس پر پوری صحافیانہ صداقت کے ساتھ رقم کر دیا ہے۔ شہر کی خرابی کا رونا ہی نہیں رویا بل کہ اس کا حل بھی بتایا ہے۔ مسائل کی گتھی سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ مسائل کے انبوہ کم کرنے کی تراکیب بتائی ہیں۔ حفیظ خان نے سماج کی بدلتی اقدار، اہلیت کی موت اور نا اہلیت کی حیات افروز ترقی، نئی تہذیبی صورت حال، انسان کا المیہ، کائنات کی وسعت میں فرد کی تنہائی، انسانی سماجی بے توقیر یاور طبقاتی فرق کو موضوع سخن بنایا ہے۔" (۶)

اُردو ناول کی روایت میں حفیظ خان کی حثیت جنوبی پنجاب کے نمائندہ خاص کی ہے۔ بذات خود اس خطے سے تعلق رکھنے کے سبب انہوں نے اس خطے کی سماجی تباہ کاریوں، سیاسی چلاکیوں و مکاریوں اور تہذیبی توڑ توڑ کو نہ صرف قریب سے دیکھا بلکہ انھیں ان تمام خرابیوں سے نمٹنے کا موقع بھی ملا۔ جس بنا پر ان کے ناولوں میں جنوبی پنجاب کی تاریخ، معاشرت، یہاں کے قدیم باشندوں کی زندگیوں کے دکھ، درد، محرومیوں اور مسائل کو مرکزی موضوع حاصل ہے۔ یہ جنوبی پنجاب میں غربت کی چکی میں پستے مظلوم لوگ اور بے کس طبقے کی آواز بنے نیز اپنی تصانیف کے ذریعے ان کے حقوق کا نعرہ بلند کیا۔ ان کے ناول "ادھ ادھورے لوگ" میں جنوبی پنجاب کے علاقے بہاولپور کی تاریخ اور قیام پاکستان کے بعد اس ریاست کے پاکستان سے الحاق سے پیدا ہونے والی صورتحال کا نقشہ

کھینچا گیا ہے۔ اسی طرح ناول "انواسی" میں بھی بہاولپور ریاست کی تاریخ اور انگریز حکومت کے دور کا عکس ملتا ہے۔ بلخصوص ان کے ناول "وجود" میں جنوبی پنجاب کے خطے کو درپیش مسائل اور یہاں کی تاریخی واقعات کو پیش کیا گیا ہے۔ ناول میں سرائیکی وسیب کے ڈانڈے عالمی تاریخ سے جا ملتے ہیں۔ جس میں مصنف نے جنوبی پنجاب پر سوویت یونین اور افغانستان کی جنگ کے اثرات کو فرضی کہانی سے جوڑا کر پیش کیا ہے۔ اس خطے کی غریب عوام کو استعماری طاقتوں کا آلہ کار بننے اور پاکستان کے مستقبل کو تباہ کرنے والے عناصر کو پیش کیا ہے گویا اس ناول کو سرائیکی وسیب کا نوحہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر یوسف خشک میر ریسٹوریس پروفیسر (چیئرمین، اکادمی ادبیات پاکستان) لکھتے ہیں:

> "سرائیکی وسیب کو جس عمدگی سے آپ (حفیظ خان) نے اپنے ناولوں میں پیش کیا ہے اور اپنی حقیقی تحریروں میں اِس کی تاریخ کو جس وضاحت و فصاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اس کی مثال موجودہ دور میں کم ہی اہل قلم کے ہاں ملتی ہے۔"(۷)

ناول "وجود" حفیظ خان کا چھٹا ناول ہے جو کہ "بک کارنر جہلم" سے ۲۰۲۳ء میں شائع ہوا۔ یہ ناول اسلام کا پرچار کرنے والے حکمرانوں کی اسلامی حکمت عملیوں کے پس پشت ان کے منفی اعزائم کو کھول کر پیش کرتا ہے کہ انہوں نے ملک کے غریب عوام کی زندگیوں کا سودا کر کے ان کو اغیار کی جنگ میں "چارا" کے طور فروخت کیا اور اپنی جیبیں بھریں نیز پاکستان کے سنہرے مستقبل کو تاریکی کی طرف دھکیلنے کی وجہ بنے۔ مزید یہ کہ مصنف نے اس دور کے نام نہاد نیک لوگوں کی سرگرمیوں کو بھی واضح کیا ہے کہ یہ نہ صرف حکومت کی ملی بھگت میں شامل ہوئے بلکہ مذہب کا کارڈ کھیلتے ہوئے عوام کے مذہبی عقائید کو استعمال کیا اور اس جنگ کو اسلام کا نام دیا۔ جس کے لیے انھوں نے مدارس میں جہاد کی تربیت دی، جہاد کمیٹیاں بنائیں اور مجالس منعقد کر کے سوویت یونین کے خلاف جہاد کی تعلیم کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ مدارس کے طلبہ کو حکومت کے سپرد کرتے رہے۔ جس کی بدولت انھوں نے دولت اور شہرت کمائی۔ ناول کا تمام منظر نامہ زوال ترین مذہبی اور سیاسی قیادت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو خود غرضی اور لالچ میں اپنوں کو قربان کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ ناول میں تاریخی اور سماجی پہلوں کو گہرائی اور پیچیدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ جو نہ قاری کو تاریخی واقعات کی حقیقت سے آگاہ کرتا ہے بلکہ سامراجی طاقتوں کی حکمت عملیوں اور ان کے مقامی اثرات کی تفہیم میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

جہاں مصنف نے اس جنگ میں مجاہدین کو درپیش مسائل اور ان پر کیے جانے والے تشدد اور مظالم کو رقمطراز کیا وہیں جنگ کے بعد پیش آنے والے تاریک حالات کا بھی احاطہ کیا ہے کہ ضیاء کے دور حکومت میں مجاہدین بنا کر بھیجے گئے نوجوان جنگ بندی کے بعد جب وطن واپس لوٹے تو مشرف کے دور میں ان کو دہشت قرار دے دیا گیا اور ان کے وجود کو ملک و قوم کی سالمیت کے لیے خطرہ سمجھا جانے لگا۔ حکومت کی ان متضاد پالیسیوں کی بنا پر ان کی باقی کی زندگی بھی برباد ہو گئی۔ جبکہ کم عمری میں جنگی تربیتی کیمپوں میں بھیجے جانے کے سبب ان مجاہدین کی ملک میں نہ تو کوئی شناخت باقی رہی اور نہ ہی خاندان گویا وجود کے ہوتے ہوئے وہ بے وجود ہو چکے تھے۔ اپنا ملک ہی ان کو اپنانے کے لیے تیار نہیں تھا۔ یہ ہماری تاریخ کا ایسا دردناک واقع ہے جس پر عموماً لوگ بات کرنے سے کتراتے ہیں اور حکومت سے دوستانہ مراسم قائم کرنے کو ترجیح دیتے ہیں مگر اُردو ادب کے مصنیفین اس سلسلے میں مسلسل اپنے قلم سے جہاد کر رہے ہیں۔ حفیظ خان نے بھی نہایت بے باک اور نڈر انداز میں تاریخ کے ان نازک پہلو پر نہ صرف قلم اٹھایا ہے بلکہ قاری میں

اس کے متعلق شعور کو بیدار کرنے میں مدگار ثابت ہوئے ہیں۔ ناول میں مصنف نے تاریخی واقعات کو فرضی کہانی سے جوڑ کر اس دکھ ،درد اور کرب کو بیان کیا ہے جس کا سامنا اُس وقت کے غریب سرائیکی وسیب کو کرنا پڑا۔

مصنف نے جہاں اس جنگ سے جنوبی پنجاب کے لوگوں کو متاثر ہوتے دکھایا، وہیں افغانی مہاجرین کی پاکستان آمد سے ملکی معیشیت کی تباہی سے بھی آگاہ کیا۔ کیونکہ اس جنگ کی وجہ سے ۱۹۷۸ء میں پہلی بار ۲۸ لاکھ افغانی ہجرت کر کے پاکستان آئے جبکہ جنگ ختم ہونے کے وقت ۱۹۸۹ء میں ۷۰ لاکھ افغانی لوگ افغانستان سے پاکستان آ گئے۔ جب تک جنگ جاری رہی امریکہ پاکستان کو مالی امداد مہیا کرتا رہا مگر جیسے ہی جنگ ختم ہوئی تو اپنے مقاصد پورے ہوتے ہی امریکہ نے امداد بھی بند کر دی۔ جس بنا پر مہاجرین کی بڑی تعداد نے پاکستان کی معیشت کو بری طرح نقصان پہنچایا۔ اس کے علاوہ ان مہاجرین نے پاکستان کے تہذیب اور ثقافت پر اپنے اثرات مرتب کیے جس سے سماجی تناؤ اور ثقافتی تصادم کی صورتیں ابھریں۔ پاکستان میں معاشرتی ہم آہنگی کو متاثر کیا نیز ملک میں دہشت گردی کی جڑیں قائم کر دی۔

حفیظ خان نے ناول میں پاکستان کے بڑے مسائل غربت اور بڑھتی ہوئی آبادی کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ انھوں نے بڑھتی ہوئی آبادی کو ملک کے بے شمار مسائل کی وجہ بتایا ہے جن میں جہالت، غربت کے تناسب میں اضافہ، ملکی معیشت کا متاثر ہونا، بے روزگاری، اولاد پر والدین کی عدم توجہ، اولاد کے درمیان پیدا ہونے والی نفرت، بچوں پر جنسی تشدد اور جرائیم کی تعداد میں اضافے وغیرہ شامل ہیں۔ ان تمام مسائل کے باوجود جنوبی پنجاب کا غربت طبقہ تیس سال کی عمر میں دس بچے پیدا کر چکا ہوتا ہے جو ان مسائل کے ساتھ معاشی تنزلی کی بھی وجہ بنتے ہیں۔ مصنف نے ان دیگر مسائل میں سے خصوصی طور پر غربت کی تلخی کو پیش کیا ہے۔ غربت انسانی زندگیوں کی خوشیوں کو دیمک کی طرح چاٹ لیتی ہے۔ یہ جہاں گھر کے بڑوں کو فکرات میں مبتلا کر دیتی ہے وہیں ننھی کلیوں سے زندگی کی رمق چوس کر انتہائی سفاک درجے پر لا کھڑا کرتی ہے نیز عالمی سطح پر غربت کے سبب قوموں کی زندگیوں کا سودا کیا جاتا ہے۔ جیسے استعماری طاقتوں نے جنگ میں جنوبی پنجاب کے لوگوں کے مستقبل کا سودا کیا۔

> "ہر جنگ کی طرح اس جنگ کو بھی اپنے آتش کدو کے شعلے بلند رکھنے کے لیے انسانوں کی صورت میں ایندھن چاہیے تھا۔ افغانستان میں یہ ایندھن کم پڑا تو جنگ کے بیوپاریوں نے ہر اُس ملک میں اپنے ہرکارے دوڑائے جہاں بھوک ننگ فراواں اور آبادی بھی زیادہ تھی۔ ایسے ملکوں میں زندگی سے اکتائے ہوئے لوگوں کو ویسے بھی مرنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ تو چاہیے ہوتا ہے اور اگر موت سے قبل انھیں پیٹ بھر روٹی نصیب ہو جائے تو رہی سہی بھوک کے لیے اگلے جہان کے دعدوں کا بھروسا کافی ثابت ہوتا ہے۔ پاکستان میں ایسے لوگ سوائے سرائیکی وسیب کے اور کہاں ہوں گے (۸)"۔

ناول میں مصنف کے سماجی شعور کو پرکھتے ہوتے شعور کے کئی زاویے سامنے آتے ہیں۔ جیسا کہ انھوں نے ملک کے سکوٹی اداروں اور میڈیا کے کردار کو بھی ناول میں شامل کیا ہے جو کہ معاشرے میں اپنی شفافیت کھو چکے ہیں نیز مختلف طبقوں کے زیر اثر آ کر غلط خبریں نشر کر رہے ہیں۔ جس بنا پر معاشرے میں انتشار پھیلانے کی وجہ بن رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ملک کے سیکوٹی ادارے جو عوام کی حفاظت اور تحفظ پر کاربند ہیں وہ عوام کو نقصان پہنچاتے نظر آتے ہیں جو کہ ملک کی تنزلی کی علامت ہے۔ یہ تمام زاویے حفیظ خان کے سماجی شعور کو واضح کرتے ہیں۔ وہ انسانی حقوق، انصاف اور فلاہی ریاست پر زور دیتے ہیں۔ ناول میں سماجی شعور کے علاوہ

انسانی نفسات خاص کر جنگ پر بھیجے گئے مجاہدین کی ذہنی تناؤ اور ان کی شخصی توٹ پھوٹ کو نہایت گہرائی سے پیش کیا گیا ہے۔ جو کہ سماجی شعور کا ایک اور ہی زاویہ ہے۔ مصنف کا سماجی شعور ان کے گہرے مشاہدے اور غور فکر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

مصنف کا ناول پاکستان کی جنگی تاریخ، سماجی مشکلات، اور حکومتی ناکامیوں کا جامع تجزیہ پیش کرتا ہے۔ اس میں بیان کیے گئے مختلف پہلوؤں جیسے مہاجرین کا ملک کی معیشت پر اثرات، سماجی اور ثقافتی تبدیلیاں، اور حکومتی نظام کی ناکامیوں نے نہ صرف تاریخی واقعات کی عکاسی کی ہے بلکہ معاشرتی شعور کو بھی اجاگر کیا ہے۔ مزید براں مصنف کے ذریعے بیان کیے گئے مسائل ہمیں موجودہ حالات پر غور کرنے اور ان کے حل کے لیے اقدامات کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان کی تحریر نہ صرف ہمارے سماجی شعور کو بیدار کرتی ہے بلکہ ملک کی مستقبل کی سمت کا تعین کرنے میں بھی مددگار ثابت ہوتی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر سعیدہ رشم لکھتی ہیں:

> "انہوں نے اپنے قلم کو قوم کی مقدس امانت سمجھتے ہوئے صحت مند معاشرتی اصلاح، سیاسی، سماجی، اخلاقی، معاشی اور تعلیمی مسائل پر رائے زنی کچھ اس طرح کی ہے کہ موضوعات کا تعلق تجربہ اور تاثیر سے بھرپور ہے۔ دائرہ عمل کا اختصار اور وسعت، حدود زماں و مکاں، سکون اور تحرک، ایمائیت اور وضاحت، اعمال اور تفصیل ان کی کہانیوں کی نمایاں خصوصیات ہیں"(۹)

محمد حفیظ خان کے ناولوں سے ان کے سماجی شعور کے دیگر پہلو سامنے آتے ہیں ان کے ناولوں میں تہذیبی و ثقافتی پہلو کو باریکی سے پیش کیا گیا ہے۔ جس میں ان کی اپنی تہذیب سے جڑت اور اس کے تہذیبی واقعات کی گہری واقفیت ہے۔ ان کے ناولوں میں جنوبی پنجاب کے حالات وواقعات کی مکمل عکاسی کی گئی ہے نیز اس کے تاریخی پس منظر سے بھی آگاہی ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں میں سرائیکی وسیب سے جڑت کی بنا پر ان کے انداز بیان میں سرائیکی لب ولہجہ پایا جاتا ہے۔ جو ان کے فن کی خوبی ہے۔ ان کے ناول قاری کو نہایت دلچسپ معلوم ہوتے ہیں نیز ان پر ڈرامے کے اثرات غالب ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں معاشرتی طبقاتی فرق، خاندانی اور معاشرتی ڈھانچہ، پراگندگی اور نسلی تنوع وغیرہ جیسے موضوعات پائے جاتے ہیں۔ یہ تمام زاویے مصنف کے سماجی شعور کو اجاگر کرتے ہیں۔ انہوں نے سیاسی المیہ کو ناول میں جگہ دی ہے ان کے ہاں حکومتی نظام سے آگاہی اور ان کے معاملات کے پیچیدگیوں سے واقفیت پائی جاتی ہے۔ انہوں نے ناولوں میں سماجی نقطہ چینی کے ساتھ ساتھ سیاسی تنقید بھی کی ہے۔ سیاسی و سماجی منفی پہلو کو بیان کر کے اس کی اصلاح کی راہیں ہموار کرتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ خورشید ربانی، حفیظ خان شخصیت اور فن، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۲۱ء، ص:۲۰۷

۲۔ محمد حفیظ خان، حیدر گوٹھ کا بخشن، جہلم، بک کارنر، ۲۰۲۲ء، ص:۳۱۱

۳۔ ایضاً، ص:۲۱۵

۴۔ منو بھائی، یہ جو حفیظ خان ہے، (مشمولہ)، "حفیظ خان کی تخلیقی جہتیں، ملتان انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اینڈ ریسرچ، ۲۰۱۰ء، ص:۳۶

۵۔ جاوید اختر بھٹی، "حفیظ خان کی افسانہ نگاری" مشمولہ، "حفیظ خان کی تخلیقی جہتیں، ملتان"، ص:۳۸

۶۔ خورشید ربانی، حفیظ خان شخصیت اور فن، ص:۲۰۴

۷۔ ایضاً، ص:۷

۸۔ محمد حفیظ خان، وجود،، جہلم، بک کارنر، ۲۰۲۳ء، ص:۱۷

۹۔ پروفیسر ڈاکٹر سعید ہر شم، "ہمارے معاشرے کا مصور"، مشمولہ، "حفیظ خان کی تخلیقی جہتیں"، ص:۵۸

References in Roman Script

1. Khursheed Rubbani, Hafeez Khan Sakhsiat aur Fun, Islamabad, Akadbi Adbiyat, Pakistan,2021,p. 207.
2. Muhammad Hafiz Khan, Haider Goth ka Bukhsh, Jhelum, Book Corner, 2022, p. 311.
3. Ibid, p. 215.
4. Manu Bhai, "Ye jo Hafiz Khan hai" (included in), "Hafiz Khan ki Tahqeeqi Jihat", Multan Institute of Policy and Research, 2010, p. 36.
5. Javed Akhtar Bhatti, "Hafiz Khan ki Afasana Nigari" (included in), "Hafiz Khan ki Tahqeeqi Jihat, Multan",p. 38.
6. Khurshid Rabani, Hafiz Khan Shakhsiyat aur Fun, p. 204.
7. Ibid, p. 7.
8. Muhammad Hafiz Khan, Wujood, Jhelum, Book Corner, 2023, p. 17.
9. Professor Dr. Saeeda Harish, "Hamare Muashre ka Musawir" (included in), "Hafiz Khan ki Tahqeeqi Jihat", p. 58.